آزادی کے فقہی مبانی اور ریشہ

رجب علی حیدری

چکیدہ:

تاریخ بشریت میں تمام مذاہب میں ہر بشر کا فردی، اجتماعی، فکری اور سیاسی زندگی کے اعتبار سے آزاد ہونا ایک اہم دغدغہ رہا ہے اور آزادی کو اپنا حق حیات گمان کیا گیا ہے، دین اسلام جو سب کے لیے آزادی کا پیغام لے کر آیا ہے اس نے بشر کو غلامی کے غول وزنجیروں سے نجات بخشی اور اسے عزت و کرامت کا تاج پہنا کر آزادی کا تحفہ دیا، دین اسلام نے ہی بشر کو فکری، عاطفی، اخلاقی آزادی بھی بخشی ہے۔ اگر کسی جگہ مذہب میں حقیقی آزادی ہے تو وہ صرف دین اسلام ہے اور اس مذہب میں آزادی کی تمام انواع پر فقہی دلائل و مدارک پائے جاتے ہیں، کلام و فقہ میں آزادی اور حریت کا ریشہ اور مبانی تین چیزیں ہیں: اصل برائت، نفی سلطہ اور ارادہ واختیار اور یہ تین چیزیں شیعہ مذہب سے ثابت ہیں۔ بعض لوگ جبر کے قائل ہیں تو بعض تفویض کے لیکن شیعہ حضرات نہ جبر کے قائل اور نہ ہی تفویض کے اور انھیں باطل مانتے ہوئے الامر بین الامرین کے قائل ہیں، عدالتِ الٰہی کو قبول کرتے ہیں، وہ اشیاء جن کے حسن و قبح ہونے کو عقل درک کرتی ہے قبول کرتے ہیں۔

محوری الفاظ:

آزادی، مبانی، نفی سلطہ، عدالت، اصل اباحہ، اختیار

مقدمہ

مسئلہ آزادی ایک اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے، در حقیقت آزادی کا مفہوم ایک ہی ہے لیکن ریشۂ آزادی کے لحاظ سے اس سے متعدد اور مختلف مطلب و نتائج نکالے جاتے ہیں، اہل مغرب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لوگوں کی آزادی فکری کی بات صرف غربی تفکر اور آئیڈلوجی میں پائی جاتی ہے، اہل مغرب نے آزادی اور حقوق بشر جس قدر شور مچار کھا ہے اسے سن کر لوگ یہی سوچتے ہیں کہ لوگوں کی فردی، اجتماعی، سیاسی، فکری اور سیاسی آزادی مغربی شعار ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور جھوٹا ہے کیونکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد اندیشی دین اسلام کی مرہون منت ہے چونکہ در حقیقت آزادی ایک اصولی مسئلہ ہے جس بنا پر فقہ میں اس سلسلے میں کمتر گفتگو ہوئی ہے یہاں تک کہ بعض فقہا نے علم کلام میں مسئلہ آزادی پر تخصیصی بحث بھی کی ہے لہٰذا مبانی فقہی آزادی کو ایک قاعدہ ''نفی سلطہ گری، اصل اباحت اور اصل عدالت'' میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو طول تاریخ میں ہر بشر کا فردی، اجتماعی، فکری اور سیاسی زندگی کے اعتبار سے آزاد ہونا ایک اہم دغدغہ رہا ہے اور آزادی کو انسان کے لیے حق حیات گمان کیا گیا ہے مگر افسوس کہ انسان ابھی تک اسی دغدغہ میں گھرا ہوا ہے اور روئے زمین پر طاغوتی طاقتوں نے انسان سے آزادی سلب کر رکھی ہے، دین اسلام جو سب کے لیے آزادی کا درس دیتا ہے مغربی ممالک، لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کا چہرہ بگاڑنے میں مصروف ہیں، حجاب کے ذریعہ عورت کی آزادی محفوظ رہتی ہے کہ یورپ اور ان کے نوکروں نے اسلامی ممالک میں حجاب کو سلب آزادی سے تعبیر کر رکھا ہے، آزادی کے نام پر دین اسلام کو خدشہ دار کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور عرب ممالک پر اپنا سیطرہ و کنٹرول برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ دین اسلام نے بشر کو غلامی کے غول و زنجیروں سے نجات بخشی ہے اور اسے عزت و کرامت اور آزادی کا تحفہ دیا ہے {لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ} (اسراء ۷۰، ۱۷)، دین اسلام نے بشر کو فکری، عاطفی، رفتاری آزادی بخشی ہے، اگر کسی مذہب میں حقیقی آزادی ہے تو وہ دین اسلام میں پائی جاتی ہے۔ قرن مجید جو مبانی فقہی میں شمار ہوتا ہے اس میں مفہوم آزادی پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ اور جسے ماڈرن لوگ آزادی شمار کرتے ہیں در حقیقت وہ آزادی نہیں بلکہ ایک قسم کی غلامی ہے۔ غرب میں بڑی وسعت کے ساتھ جو آزادی کی تعریف کی گئی ہے فقہی اعتبار سے وہ آزادی کس حد تک صحیح ہے اور اس کا فقہی مبنا کیا ہے اس مختصر سی تحقیق اور مقالہ میں اس پر نگاہ ڈالی گئی ہے۔

مبانی کی تعریف

لغوی اعتبار سے ''مبانی''، ''مبنی'' کی جمع ہے جس کے معنی بنیاد، بنیان، اصل، اساس، پایہ اور ریشہ ذکر ہوئے ہیں (طریحی، مجمع البحرین، ا: ۶۴؛ مہیار رضا، دہخدا، ۱۳: ۲)

اصطلاحی معنی: فلسفی و کلامی و فقہی اور اخلاقی علماء کی اصطلاح میں دلائل، مدرک، منشأ اور اصول کو مبانی کہا گیا ہے یعنی وہ جگہ جہاں سے عقائد، حقوق و تکالیف اور احکام وجود میں آتے اور مشروعیت پاتے ہیں۔ فقہی اصطلاحی میں جن چیزوں سے احکام و فروعات وجود میں آتے ہیں ان کو ''مبانی فقہی'' کہا جاتا ہے اور چار چیزیں فقہی منابع شمار ہوتی ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور عقل۔ اگر مبانی

موجود نہ ہوں تو احکام بھی وجود میں نہیں آسکتے ہیں اسی لیے کسی بھی تکلیف یا حکم کا سب سے پہلے مبنا پوچھا جاتا ہے کہ اس کا مبنا کیا ہے، اس کی اصل کیا ہے اور اس کی جڑ کیا ہے؟

ناصر کاتویان نے اپنی کتاب ''مبانی حقوق عمومی'' میں لکھا ہے: صرف حقوقی تکالیف کے پنہانی منشاء اور دلائل کو مبانی نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس کے معنی اس سے زیادہ وسیع ہیں اور عمومی حقوق کے اصلی ستون پر بھی مبنا کا اطلاق ہوتا ہے (کاتوزیان، مبانی حقوق عمومی، ص۹)

معنای آزادی

بعض علما کی نظر میں آزادی ایک بسیط معنی رکھتا ہے مثلاً شہید مرتضٰی مطہری نے آزادی کی اس طرح تعریف کی ہے: ''آزادی یعنی انسان کا ہر قسم کے ایسے قید و بند سے رہا ہونا جو اس کے کمال کی جانب ترقی اور فعالیت کرنے میں مانع بنتا ہو'' (مطہری، مجموعہ آثار، ۵: ۱۶۷)

بعض فقہا کہتے ہیں کہ آزادی دو مفہوم رکھتا ہے: مثبت اور منفی۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ آزادی کی کوئی خاص تعریف یا مفہوم نہیں ہے مثلاً امام خمینی رہ نے یہ تصریح فرمائی ہے: ''آزادی ایک ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف خاص کی جائے'' (امام خمینی، صحیفہ نور، ۵: ص۹۴)

جن فقہا کی سیاسی مسائل پر زیادہ نگاہ رہی ہے، ان میں سے اکثر فقہا نے آزادی کا مسئلہ مطرح کیا ہے، جن میں آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای (دام ظلہ العالی) سرفہرست ہیں، آپ نے اپنے ایک مقالہ ''آزادی از منظر اسلام'' میں آزادی کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے: ''آزادی یہ ہے کہ انسان کی روح گناہ و آلودگی، ہوا و ہوس، رذائل اور مادی قید و بند سے آزاد رہے، آج تک تمام ادیان و مکاتب الٰہی میں آزادی کو اسی معنی میں انحصار کیا گیا ہے اور یورپی و غربی مکاتب نے اس معنی کو استثمام بھی نہیں کیا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں فرانس کے عظیم انقلاب اور اس کے بعد سے مغربی دنیا میں آزادی کا جو لفظ مطرح ہوا ہے اس کا مفہوم و معنی اس آزادی سے نہایت چھوٹا، محدود بے ارزش ہے جو مکاتب و ادیان الٰہی پائی جاتی ہے۔ حتی اگر آزادی کو اس معنی و مفہوم میں شمار کریں جو آج سیاسی مکاتب میں مطرح ہوتی ہے یعنی ''سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، فکر و اندیشہ اور عقیدہ کی آزادی''۔ اور خود ان تمام عناوین میں آزادی کے مختلف معنی ہیں بہرحال یورپی انقلاب سے ہزاروں سال پہلے دین اسلام نے دنیائے انسانیت کو آزادی کا تحفہ دیا تھا۔ (خامنہ ای، آزادی از نظر اسلام و غرب، مجلّہ اندیشہ شمارہ ۱۴)

مفہوم آزادی کے دو معنی میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ فکر و عقیدہ کی آزادی: انسان کا فکر و اندیشہ، عقیدہ و بیان، قلم، تجارت وغیرہ میں صاحب اختیار ہونا اور دوسرے کے دباؤ میں آکر مجبور نہ ہونے کو آزادی کہا جاتا ہے یعنی کسی شخص یا قوم کا کلچر و فرہنگ اور سیاسی و اقتصادی وغیرہ کے اعتبار سے کسی دوسرے کے سلطہ سے آزاد رہنا آزادی کہلاتا ہے۔

انسان کے ہاتھ، پیر، زبان اور کسی بھی اعضاء پر کوئی تالا و زنجیر نہیں ہونی چاہیے کہ جو اس کو چلنے پھرنے، کاروبار اور تجارت کرنے سے روکے اور اپنے حق کا مطالبہ کے لیے زبان پر بھی کوئی تالا نہیں ہونا چاہیے گویا ہر انسان ہر طریقہ سے آزاد ہے۔

۲۔غلامی سے رہائی: اصل انسان میں آزاد ہونا ہے اور ہر انسان آزادی میں اپنے والدین کا تابع ہوتا ہے، اگر والدین آزاد ہیں تو اولاد بھی آزاد ہے، صاحب جواہر لکھتے ہیں کہ مشہور نظریہ کے مطابق اگر صرف ماں آزاد ہو تو اولاد بھی آزاد شمار ہوگی (جواہری، جواہر الکلام، ۳۰: ۲۱۱)

فقہ کے مختلف ابواب میں فقہی اعتبار سے موصی، وصی، واقف، موقوف علیہ، مؤکل، وکیل، اقرار کرنے والا، ولی، ملتقط وغیرہ کا آزاد ہونا شرط ہے۔ عبادات میں جیسے: نماز جمعہ، زکات، حج، نذر اور جہاد۔ عقود میں جیسے: تجارت، وکالت، وقف، وصیت، نکاح۔ ایقاعات جیسے: عتق و نذر۔ اور احکام جیسے غصب، ارث قصاص میں انسان کا بردگی سے مکلّف اور آزاد ہونا شرط ہے۔

انسان مال محسوب نہیں ہوتا ہے لہٰذا خریدنے سے کوئی اس کا مالک نہیں بن سکتا ہے، اگر کوئی اسے غصب کرلے تو غصب کے لحاظ سے ضامن نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی کسی انسان کی چوری کرلے تو اس پر حد سرقت جاری نہیں ہو سکتی ہے مگر یہ کہ انسان کو چوری کرکے فروخت کرے۔

مکتب غرب میں آزادی کے معنی و مفہوم

اہل غرب نے آزادی کے بہت سے معنی و مفہوم ذکر کیے ہیں:

منٹسکیو نے آزادی کی اس طرح تعریف کی ہے: آزادی یعنی جس کام کی قانون اجازت دیتا ہے انسان کو اس کے انجام دینے کا پورا حق ہے البتہ میل و رغبت کے اعتبار سے بھی انسان آزاد ہے یعنی جس کام کو انسان اپنے لیے مصلحت شمار کرے اس کام کے انجام دینے میں آزاد ہے بشرطیکہ اس کے کام سے دوسروں کے مصالح کو نقصان نہ پہنچے۔ کانت نے لکھا ہے کہ جس کام کی قانون اجازت نہ دے اس کے علاوہ دوسرے کاموں کو انجام دینے میں انسان کو استقلال حاصل ہے۔ (مجی، آزادی از نظر اسلام و غرب، ص۱۸۲) مکتب غرب کی تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کا ظاہری قید و بند سے آزاد ہونا ضروری ہے۔

''جان لاک'' نے کہا ہے: مکمل سعادت یہ ہے کہ جو چیز ہمیں حاصل ہوئی ہے اس سے حداکثر لذت حاصل کرنا۔ (راسل، تاریخ فلسفہ، ۳: ص۲۱۶)

آزادی اسلامی نقطہ نظر سے:

دین اسلام میں آزادی اور حقوقِ بشر کو جس قدر اہمیت دی گئی ہے کسی بھی مذہب اور مکتب میں نہیں دی گئی ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ آزادی اور حقوقِ بشر کے منادی کی اصل و اساس اور ریشہ دین اسلام ہے۔ صدر اسلام میں پوری دنیا کے لوگوں پر جہالت و شرک کی حکمرانی تھی، دین اسلام نے آکر لوگوں کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرایا، شرک و جہالت سے آزادی بخشی اور توحیدی گرائی کا انسانیت کو تحفہ بخشا، ان کے لیے علم و دانش کے دروازے کھولے جس کے سب لوگوں نے ترقی و پیشرفت کا آغاز کیا لہٰذا آج پوری کی تمام فنون میں ترقی کامیابی دین اسلام اور مسلمانوں کی مرہون منت اور مدیون ہے۔

دین اسلام نے یہ ندا بلند کی کہ انسان اللہ کے علاوہ کسی کا بندہ و غلام نہیں ہو سکتا ہے پس در حقیقت انسان کی آزادی کا ریشہ، عقیدۂ توحید، یکتا پرستی اور خدا کی معرفت ہے اور کسی بھی شخص کو غیر اللہ کی عبادت و پرستش کرنے اور جھکنے پر مجبور کرنا آزادی کو سلب کرنا ہے۔

فقہ اسلامی کے نقطہ نظر سے آزادی کو اجتماعی اور سیاسی مسائل میں محدود اور منحصر نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کا میدان اس سے بہت وسیع ہے اور اس آیہ شریفہ کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے: {وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ} (اعراف ۱۵۷) ''اور ان پر سے احکام کے سنگین بوجھ اور قید و بند کو ہٹا دیا گیا ہے'' حقیقی آزادی یہ ہے کہ انسان بدعت اور خرافات کی قید و بند سے آزاد رہے ایسا نہ ہو نا کہ معاشرے میں پھیلی خرافات و بدعتوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے خود بھی ان کا اسیر بن جائے، چونکہ آزادی کا مسئلہ ہزاروں سال پہلے دین اسلام نے اٹھا دیا تھا لہٰذا آزادی کے مسئلہ کو غرب سے اختصاص دینا بے جا ہے۔

مکتب اسلام میں اصل یہ ہے کہ انسان فکر، عقیدہ و بیان، قلم، تجارت وغیرہ میں صاحب اختیار ہے اور اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔ فقہ کے معروف قواعد و اصول کے لحاظ سے انسانوں کا ایک دوسرے کے تسلط سے آزاد رہنا اصل حریت کہلاتا ہے۔

دین اسلام میں تین چیزوں کی آزادی سب سے زیادہ اہم ہے: اعتقادی، اخلاقی و معنوی، احکامی۔

اجتماعی آزادی، اخلاقی آزادی کے بغیر میسر نہیں ہے۔ اخلاقی آزادی کا مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو ماسواء اللہ کی وابستگی سے دور کرے اور دنیوی قید و بند کی رہائی سے تزکیہ روح اور تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ شکم، شہوت اور مال و مقام کے غلام ہوتے ہیں اور نفسانی خواہشات کو اپنا معبود گمان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: ''عَبدُ الشَّهْوَةِ اَشَدُّ مِن عَبدِ الرِّقِّ؛ شہوت کی غلامی کرنا کسی شخص کی غلامی کرنے سے بھی بُرا ہے''۔ (آمدی، غرر الحکم، ۴۹۸) کیونکہ زرخرید غلام کی روح آزاد ہوتی ہے لیکن شہوت کا غلام اندر سے اسیر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں نفس کی غلامی سے منع کیا گیا ہے۔ (قصص ۵۰) اور حضرت علی علیہ السلام نے نفس پرستی کی حرمت کا یہ فلسفہ بیان فرمایا ہے: ''فَامَّا اتّبَاعُ الهَوىٰ فَيَصُدُّ الْحَقِّ؛ نفس پرستی انسان کو حق سے دور رکھتی ہے''۔ (صبحی: نہج البلاغہ، حکمت ۴۸۳) اور فرمایا کہ اگر تم نے نفسانی خواہشات کا اپنا حاکم بنایا تو وہ تمھیں اندھا، بہرہ اور پست بنا دے گا''۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۱۹) لہٰذا در حقیقت وہ انسان ہوتا آزاد ہے جو نفسانی خواہشات سے مقابلہ اور جنگ کرتا ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: اس سے پہلے کہ انسان نفسانی خواہشات کی طرف راغب ہو اسے چاہیے کہ اس سے جنگ کرے کیونکہ اگر تم میں سرکشی کی طرف راغب ہونے سے تجاوز میں قدرت پیدا ہو گئی تو وہ تمہارا حاکم بن جائے گا اور پھر تم کو ہر برے کام کی طرف لے جائے گا اور تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت سلب ہو جائے گی (آمدی، غرر الحکم، ۱۸۷)

امام خمینی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ اس عظیم دشمن یعنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ انسان دین اسلام کے فرامین اور احکامات پر عمل کرے، دینی احکامات پر عمل پیرا ہونے سے غرایز کو تعدیل کرنا ممکن ہے اسی لیے دین اسلام میں نفس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر کا نام دیا گیا ہے۔ (امام خمینی، شرح چہل حدیث، ص ۱۴۷) پس اگر کسی میں نفس پرستی سے مقابلہ کی طاقت پیدا ہو گئی تو اس میں دنیا اور دنیا طلب لوگوں کو پہچاننے کی قوت حاصل ہو جائے گی اور وہ کسی چھوٹی سے ناانصافی کو برداشت نہیں کرے گا۔ اس کے مقابلہ میں اگر غربی لیبرا سیم فکر کو دیکھا جائے تو اخلاقی اعتبار سے ان کی فکری بنیاد لذت طلب ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے انسان کے ہر قسم کی قید و بند اور اسارت سے رہائی کو آزادی قرار دیا ہے اور آپ نے اپنے فرزند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو خط میں تحریر فرمایا تھا:

''لَاتَکُنْ عَبْدَ غَیرِکَ وَ قَدْ جَعَلَکَ اللہ حُرًّا''

خبر دار کبھی کسی کا غلام نہ بن جانا کیونکہ خداوند عالم نے تمہیں آزاد خلق فرمایا ہے۔ (نہج البلاغہ، صبحی، ص۴۰۱)

اس نورانی کلام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان ہر طرح سے آزاد ہونا چاہیے، یہاں تک کہ اخلاقی و معنوی اعتبار سے بھی۔ اخلاقی اور معنوی آزادی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی سے آزاد ہونا چاہیے یعنی مال و دولت اور اپنے شکم و شہوت کا غلام نہیں ہونا چاہیے بلکہ صرف معبود کا عبد ہونا چاہیے۔

اسلامی نقطہ نظر سے آزادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ شخصی آزادی:

وہ چیزیں جو شخصی آزادی کے مصادیق میں شامل ہیں ان میں سے چند اہم چیزیں یہ ہیں:

۱۔ حق زندگی

۲۔ رہنے سہنے (مکان) کے لحاظ سے آزادی

۳۔ کھانے پینے میں آزادی

۴۔ رفت و آمد میں آزادی

۵۔ کاروبار میں امنیت

۶۔ جانی امنیت (قاضی کے حکم کے بغیر کسی کو گرفتار کرنا آزادی کے خلاف ہے)

۷۔ مالی امنیت (حاکم شرع کے حکم کے بغیر کسی کے مال کا مصادرہ یا توقیف کرنا منع ہے)

۸۔ گھر اور محل کار پر امنیت۔

اسلامی نقطہ نظر سے ہر شخص زندگی کا حق، آزادی اور امنیت کا حق رکھتا ہے اور کسی بھی شخص کو دوسرے کی زندگی میں معترض ہونے کا حق نہیں ہے بلکہ حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کے حق حیات اور امنیت کا دفاع کرے اور ان کی حفاظت کرے۔ کسی نفس کا قتل کرنا جرم محسوب ہوتا ہے جیسا کہ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں: {مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیعاً} ''جس نے بھی کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے اس نے گویا سارے افراد کو قتل کر دیا''۔ (مائدہ ۳۲) ۔ اس آیہ شریفہ کے مطابق ایک شخص کا ناحق قتل کرنا معاشرے کے تمام افراد کے قتل کرنے کے مترادف ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے اور مجرم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا چونکہ اس نے پورے معاشرے کی امنیت کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔

امام خمینی رہ تحریر کرتے ہیں: دین اسلام میں شخصی آزادی کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ کسی سے مسکن، کھانے پینے، رفت و آمد اور کاروبار وغیرہ میں روک تھام کرنا جائز نہیں ہے (امام خمینی رہ، صحیفہ نور، ۱: ص۲۸۷)

۲۔ عام آزادی، سیاسی حقوق (عقیدہ کی آزادی):

عام آزادی سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ اجتماعی زندگی کے مختلف ابعاد و پہلو میں اپنے رشد و کمال تک پہنچنے کے لیے حق آزادی و استقلال رکھتے اور خود مختار ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً ۳۰۰ آیات کریمہ میں لوگوں کو تفکر و تدبر اور تعقل کی دعوت دی گئی ہے جو دین اسلام میں آزادی کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ دین اور مذہب کی آزادی میں کسی پر بھی یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ دین اسلام غیر اسلامی عقیدہ کی بناپر کسی کو سزا نہیں دیتا اور مذہبی اقلیت کو آزادی دیتا ہے، آزادی بیان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ آزادی عقیدہ کا احترام کرتے تھے، کسی پر دین اسلام کے قبول کرنے میں زور زبردستی نہیں کی ہے یہاں تک کہ انتقاد پذیر بھی تھے۔

آزادی کی تعریف میں غربی اور اسلامی نقطہ اشتراک وافتراق

اگر غور کیا جائے تو اسلام اور غرب کے درمیان آزادی کی حدود میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ مطلق آزادی کی کوئی حد ضرور ہے اگر انسان سکون و راحت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے یہ ماننا پڑے گا کہ کسی نا کسی مقام پر اس کی کچھ آزادی کو ختم ہونا ہے کہ انسان بس اسی حد اور دائرہ تک آزاد ہے۔

غربی مکاتب فکر کے لحاظ سے آزادی کی دو حد ہیں: ا۔ قانون یعنی جہاں تک قانون نے اجازت دی ہے وہاں تک انسان آزاد ہے ۲۔ جہاں سے کسی دوسرے کی آزادی سلب ہو رہی ہو یعنی جہاں تک دوسرے کی آزادی پر کوئی آنچ نہ آئے وہاں تک انسان آزاد ہے اور وہ آزادی کی آخری حد ہے۔

دین اسلام نے بعض جگہ پر آزادی کی حد کو اس سے بھی کم کیا ہے اور بعض دوسری جگہوں پر حد کو بڑھایا ہے یعنی بعض چیزوں میں آزادی کے دائرہ کو محدود کیا ہے اور بعض چیزوں میں آزادی کے دائرہ میں وسعت بخشی ہے۔ پس غرب اور اسلام کی آزادی کی عموم خصوص من وجہ پایا جاتا ہے، بعض چیزوں میں اسلام نے غرب کی آزادی کو بہت محدود جانا ہے جبکہ اس سے زیادہ آزادی ہونا چاہیے اور بعض چیزوں میں ان کی آزادی کو حد سے زیادہ آزادی شمار کیا ہے۔

نقطہ اشتراک:

غرب اور اسلام کی آزادی میں نکتہ اشتراک یہ ہے کہ انسان کی ترقی اور اس کی پیشرفت میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے بلکہ انسان کو ہر قسم کے قید و بند سے آزاد رہنا چاہیے۔

نقطہ افتراق:

پہلا فرق:

دین اسلام میں آزادی کی حد یہ ہے کہ انسان ظاہری اور درونی موانع (جیسے قوہ غضبیہ، شہویہ، حرص، طمع اور خوف وغیرہ) دونوں سے آزاد رہنا چاہیے لیکن غرب کے لحاظ سے مادی لذّات میں انسان کو پورے طور سے آزاد رہنا چاہیے یعنی جس مقدار میں اور جس طرح سے بھی انسان مادی لذات سے لطف اندوز ہونا چاہے اسے آزادی حاصل ہونا چاہیے۔ (مجبی: ۱۳۸۵، ۱۸۲)

دوسرا فرق:

غرب اور اسلام کے درمیان آزادی کے منشا و ریشہ میں فرق پایا جاتا ہے۔ غرب کے نزدیک منشا آزادی ''انسانی تمایلات'' ہے، جب ان کے سامنے آزادی کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں سیاسی آزادی بھی شامل ہوتی ہے کہ انسان سیاسی فعالیت، انتخاب، کاروبار اور تجارت کا حق رکھتا ہے اور شہوات بھی شامل ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں مرد یا فلاں عورت کھلے عام ایسی حرکتیں انجام دے رہے ہیں تو کہتے ہیں انسان کو آزادی ہے جس طرح چاہے گھومیں اور تفریح کریں۔لیکن دین اسلام ایسی آزادی کی اجازت نہیں دیتا ہے

دین اسلام میں منشأو ریشہ آزادی ''عقیدۂ توحید'' ہے۔ اصل توحید انسان کی آزادی کو فراہم کرتی ہے یعنی جو شخص بھی پروردگار عالم کی وحدانیت کا معتقد ہے اور توحید کو قبول کرتا ہے تو وہ آزاد انسان شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور طاغوت کی پیروی وغلامی کرنے سے روکا ہے

اسلامی نقطہ نظر سے عقیدہ توحید سے انسان کی آزادی تامین ہوتی ہے یعنی انسان جتنا زیادہ توحید پر یقین و ایمان رکھتا ہوگا اتنا زیادہ اپنے لیے آزادی شمار کرے گا اور حق کی صدا بلند کرے گا۔

صدرِ اسلام میں لوگوں پر جہالت و شرک کی حکمرانی تھی اور دین اسلام نے لوگوں کے دلوں میں عقیدہ توحید کی شمع جلائی اور انھیں شرک و جہالت سے آزادی دلائی۔ پس دین اسلام میں اصل و ریشہ آزادی یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی کا بھی بندہ وغلام نہیں ہو سکتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت و پرستش کرنے سے آزاد ہے لیکن مغربی تمدن و فرہنگ میں ''انسانی تمایلات و تمنیات'' ریشہ و اصلِ آزادی ہے۔

تیسرا فرق:

آزادی کی حد اور اس کا دائرہ: دین اسلام میں جو قانون انسانی زندگی کو محدود کرتا ہے وہ صرف اجتماعی مسائل کو شامل نہیں کرتا بلکہ انسان کے شخصی و فردی اور خصوصی مسائل کو بھی شامل کرتا ہے۔ مغربی مکتب فکر میں قانون انسانی آزادی کو معین و محدود کرتا ہے، قانوناً انسان اس حد تک آزاد ہے کہ جہاں تک اس کی آزادی سے کسی دوسرے کی آزادی سلب نہ ہو۔ دین اسلام کہتا ہے کہ انسان اس حد تک آزاد ہے کہ وہ معاشرے کی آزادی اور منافع کے لیے خطرہ کا باعث نہ بنے اور نہ ہی خود اس کے منافع و آزادی کو کوئی نقصان پہنچے۔ پس دین اسلام میں صرف یہی کافی نہیں ہے کہ دوسرے کے لیے خطرہ کا باعث نہ بنے بلکہ خود انسان کے لیے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام اور ادیانِ الٰہی دوسروں کی آزادی اور حقوق کا دم بھرنے کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ ایک انسان کا دوسرے کی آزادی کا پاس رکھنے کے ساتھ خود اس پر بھی کوئی لطمہ و آنچ نہیں آنی چاہیے اور اس کے منافع کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے اسی لیے دین اسلام میں انسان کا خود کو نقصان پہنچانے اور خودکشی کرنے سے منع کیا گیا ہے کسی کو یہ کہنے اور کرنے کا حق نہیں ہے کہ میں آزاد ہوں اپنے مال یا گھر میں آگ لگاؤں کسی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: {قُوا اَنْفُسَکُم وَ اَهْلِيكُم نَاراً} (تحریم ٦) ''اپنے نفس اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ'' (يَاۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ نفُسَكُمْ) (مائدہ ١٠٥) ''اے ایمان والو! اپنے نفس کی فکر کرو''۔

اور حدیث نبوی (ص) میں بھی ارشاد ہوا ہے: ''لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ فِی الْاِسْلَام''۔

چوتھا فرق:

مغربی مکتب میں آزادی خدا اور دین کو چھوڑ کر ہے یعنی وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے ہیں کہ خدا نے انسان کو آزادی دی ہے بلکہ فلسفہ کو آزادی کا ریشہ قرار دیتے ہیں لیکن دین اسلام میں خداوند عالم کو آزادی کا منشأ و ریشہ قرار دیا گیا ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو آزادی بخشی ہے۔ گویا مغربی مکتب ایک لبیرالیزم مکتب ہے اور مکتب اسلام ایک الٰہی مکتب ہے۔

پانچواں فرق:

غرب میں آزادی کی حد مادی منافع ہے اور دین اسلام میں معنویات کو قدر و اہمیت دی جاتی ہے۔ مکتب غرب میں مادی منافع کے ذریعہ آزادی کی حد بندی ہوتی ہے، ابتدا میں انھوں نے اجتماعی و فردی آزادی کے لیے کچھ حدود معین کر رکھی ہیں لیکن جب مادی نفع کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو آزادی کو اور محدود کر دیتے ہیں۔ دین اسلام میں مادی حد بندی کے ساتھ اخلاقیات و معنویات کی حد بھی بندی کی گئی ہے، اگر کوئی کسی کے عقیدہ کو خراب کرے، یا بے حجابی اور عریانگری کی تبلیغ کرے تو اس کے لیے حد بندی کی گئی ہے۔

فقہ میں آزادی کا مقام

فقہ میں آزادی کے نام سے کوئی مخصوص یا مستقل عنوان یا باب مطرح نہیں ہوا ہے البتہ فقہ کے مختلف ابواب میں جیسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد اور قضا وغیرہ میں آزادی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، صحیح ہے کہ فقہ میں آزادی کے نام سے کوئی باب نہیں ہے مگر مختلف فقہی ابواب میں آزادی کے مبانی و اصول کو استخراج کیا جاسکتا ہے لہٰذا یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ دین اسلام اور فقہ کے مختلف ادوار میں آزادی کے مسئلہ پر پوری توجہ دی گئی ہے مثال کے طور پر فردی آزادی کے بارے میں فقہی لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے فقہ نے انسان کے آزادانہ طور سے حق زندگی اور اس کی بزرگی کو محترم جانا ہے چونکہ فقہ میں قاعدہ ''لاضرر'' کو مبنا قرار دیتے ہوئے انسان کا خود کو ضرر پہنچانا (خود کشی کرنا) اور دوسروں کو ضرر پہنچانا (قتل وٹرور کرنا وغیرہ) حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض محرمات فقہی میں غلام آزاد کرنا واجب قرار دیا گیا ہے جسے فردی آزادی کی بہترین دلیل قرار دیا جاسکتا ہے اور انسان کو اپنے لیے کسی شغل اور محل اقامت کے اختیار کرنے میں آزاد رہنے کی تلقین کی گئی ہے

آزادی کے فقہی مبانی اور ریشہ

کلامی اور فقہی مبانی کے نقطہ نظر سے آزادی تین مبنیٰ اور اصل پر مشتمل ہے اور قرآن و سنت سے اس پر دلیل بھی قائم ہے:

۱۔ اصل اولی یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کا حرام ہونا ثابت نہ ہو تو وہ کام مباح ہے۔

۲۔ خدا و پیغمبر، ائمہ معصومین علیہم السلام اور ولی فقیہ کے علاوہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے پر ولایت نہیں رکھتا ہے

۳۔ انسان صاحب ارادہ و اختیار ہے جس کام کو چاہے انجام دے اور جسے چاہے ترک کرے

اور ان تینوں اصل پر ادلہ قائم ہیں

۱۔ اجماع بر اصل اباحہ

تمام شیعہ اصولی فقہا کا اتفاق ہے کہ جب تک کسی چیز کا حرام ہونا ثابت نہ ہو جائے اس کا انجام دینا مباح و جائز ہے، بعض علما اس میں اباحہ عقلی کے قائل ہوئے ہیں اور بعض نے اباحہ شرعی قرار دیا ہے۔ البتہ بعض شیعہ اخباری علماء شبہات حکمیہ تحریمیہ میں احتیاط کے قائل ہوئے ہیں کہ علمائے اصول نے اس کی رد کی ہے۔

سید مرتضی اباحہ عقلی کے قائل ہیں اور یہ دلیل قائم کی ہے: جس کام میں بھی حال یا آئندہ میں نفع و نقصان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو عقلاً اس کا انجام دینا مباح ہے لیکن جس کام کے حال یا آئندہ میں نقصان ہونا معلوم اور ثابت ہو تو اس کا انجام دینا قبیح و ممنوع ہے (سید مرتضٰی، ۲: ص۸۰۹)

شیخ طوسی ''عدۃ الاصول'' میں اباحہ شرعی کے قائل ہوئے ہیں اور وہاں پر انھوں نے قرآن و حدیث سے دلیل قائم کی ہے (شیخ طوسی، ۲: ص۷۱۱) شیخ طوسی کے بعد علمائے شیعہ نے اباحہ عقلی و شرعی قبول کیا اور اس پر اجماع و اتفاق بھی کیا ہے اور اس اجماع و اتفاق کو شیخ مرتضٰی انصاری نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ مجتہدین و اخباریین کا اجماع ہے کہ جس فعل کی حرمت پر کوئی دلیل عقلی و شرعی موجود نہ ہو تو وہاں پر اصل برائت اور عدم عقاب بلابیان جاری ہوگا اور یہ بھی اجماع نقل کیا ہے کہ جس کام کی حرمت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو تو وہاں پر عدم وجوب احتیاط جاری ہوگا اور اس فعل کا انجام دینا جائز ہے۔ (انصاری، مکاسب: ۲۰۲)

خداوند عالم نے انسان کو مکلّف قرار دیا ہے اس کی رفتار میں قید و بند ایجاد کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے بلکہ تکلیف سے ہدف الٰہی یہ ہے انسان اپنی مرضی، ارادہ، اختیار اور اپنی پسند سے اعمال کو انجام دے، اگر کسی چیز کے وجوب میں شک پایا جائے کہ شارع نے واجب کیا ہے یا نہیں؟ (شبہ وجوبیہ)، یا کسی چیز کی حرمت میں شک پایا جائے کہ حرام ہے یا نہیں؟ شبہ تحریمیہ، اور کوئی دلیل شرعی و عقلی وجوب یا حرمت پر قائم نہ ہو، اگر شبہ وجوبیہ ہے تو اس کے ترک میں انسان مجاز و آزاد ہے اور اگر شبہ تحریمہ ہے کہ اس کے انجام دینے میں مجاز و آزاد ہے اور شبہ وجوبیہ کے ترک کرنے پر اور شبہ تحریمہ کے انجام دینے پر انسان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور وہ امان میں رہے گا اور اس مجاز و آزادی کا فقہی مبنا اصل برائت یا اصالت اباحہ ہے۔

۲۔ نفی سلطہ

اصل اولی یہ ہے کہ انسان کا آزاد اور مختار ہے اور خدا اور رسول اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے پر ولایت اور سلطہ نہیں رکھتا ہے۔ اس اصل (نفی سلطہ) کی بناپر ہر انسان صاحب اختیار اور آزاد ہے، اسے اپنے لیے خود تصمیم گیری کا حق ہے اور تمام انسان اپنی سرنوشت کے خود حاکم ہیں لہٰذا کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے کام میں حق دخالت نہیں رکھتا ہے اور کوئی بھی شخص کسی دوسرے کو کسی کام کا حکم نہیں دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی کام سے روکنے کا حق رکھتا ہے۔ پس اللہ و رسول اور معصومین کے علاوہ کسی بھی شخص کا دوسرے پر مسلط ہونا انسان کی آزادی و اختیار کو سلب کرنا ہے، یہ مسئلہ فقہ میں نفی سلطہ گری اور سلطہ پذیری کے عنوان سے مطرح ہوا ہے۔ علامہ کاشف الغطا نفی تسلط کے قائل ہیں اور لکھتے ہیں: اصل یہ ہے کہ خداوند عالم کے بعد کوئی کسی

دوسرے پر حق سلطنت نہیں رکھتا ہے؛ کیونکہ بندگی میں سب لوگ مساوی ہیں اور کوئی کسی دوسرے پر سلطنت نہیں رکھتا ہے، بطور کلی یہ کہا جائے کہ جو جس چیز کا مالک نہیں ہے وہ مالک کی اجازت کے بغیر اس پر مسلط نہیں ہو سکتا ہے پس اگر نبوت، امامت، علم و نسب، عقد، ایقاع، ارث وغیرہ کے لحاظ سے کسی پر مسلط ہو جائے تو وہ تسلط برحق ہے وگرنہ کسی دوسرے پر مسلط ہونے کی کوئی حق و دلیل موجود نہیں ہے (کاشف الغطاء، کشف الغطاء، ص۳۹)۔

مرحوم شیخ انصاری لکھتے ہیں کہ مقتضائے اصل اور قاعدہ عقلی یہ ہے کہ پیغمبر وامام کے علاوہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے پر ولایت نہیں رکھتا ہے اور یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے (انصاری، مکاسب: ص۱۵۳)

علامہ طباطبائی آیۂ مبارکہ (وَرَبُّکَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ) (قصص۶۸) (اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''انسان کسی کام کے ترک یا انجام میں صاحب اختیار ہے، کوئی اسے کسی کام کے انجام دینے یا ترک کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے کیونکہ انسان سب برابر ہیں اور انسانیت میں کوئی برتری نہیں رکھتے، کوئی کسی دوسرے کے وجود کا مالک نہیں ہے، گویا طبیعتاً انسان آزاد ہے۔ (طباطبائی، المیزان، ج۱۶، ص۶۸) علامہ مامقانی لکھتے ہیں: اصل اولی یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کی جان ومال اور آبرو پر سلطنت نہیں رکھتا ہے اور اس میں کسی کی اطاعت و پیروی کرنا لازم نہیں ہے (مامقانی، ھدایۃ الانام: ۱)۔ امام خمینیؒ لکھتے ہیں: قضاوت اور غیر قضاوت میں کسی کا حکم دوسرے پر نفاذ نہیں رکھتا ہے اور اس سے تخلف کرنا جائز نہیں ہے اور نقض کرنا حرام ہے خواہ مخالف واقع ہی کیوں نہ ہو، بلکہ صرف خدا کا حکم جاری ہوگا آیات و روایات سے ثابت ہے کہ نبی اور امام زمین خدا کے نمائندہ ہیں اور خدا نے انھیں حکومت و قضاوت کا حکم دیا ہے پس لوگوں پر خدا و رسول اور امام کی ولایت ثابت اور قطعی ہے اور یہ ولایت آزادی بشر سے کوئی مخالفت نہیں رکھتی ہے۔ (امام خمینی رہ، شرح چہل حدیث: ص۱۴۴)

۳۔ اختیار

افعال انسان کے بارے میں عقیدہ و نظریات کو بیان کردینا ضروری سمجھتے ہیں:

معتزلہ تفویض کے قائل ہیں یعنی خدا نے انسان کو آزاد خلق کیا ہے اور انسان ہر کام مکمل طور سے اپنے ارادہ واختیار سے انجام دیتا ہے اور اس کے کسی بھی کام میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔

یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ اس عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ ہر بشر کی خلقت کے بعد خداوند عالم کا اس کی دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تمام امور کی باگ ڈور انسان کے حوالہ کردی ہے گویا خلقت کے بعد انسان کو خدا، نبی اور امام کی ضرورت نہیں ہے۔

اشاعرہ واہل حدیث جبر یعنی خداوند عالم کی لامتناہی قدرت کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان مجبور ہے اور اپنے کسی بھی کام میں ارادہ واختیار نہیں رکھتا ہے بلکہ تمام حکم خدا سے انجام دیتا ہے۔

یہ عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ اس عقیدہ کے مطابق انسان کے تمام اچھے برے افعال کی نسبت خدا کی طرف نسبت دینا لازم آتا ہے اور برے افعال کی نسبت خدا کی طرف دینا عدل اور سنت الٰہی کے خلاف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نہ عقیدۂ تفویض صحیح ہے اور نہ عقیدۂ جبر صحیح ہے بلکہ دونوں کے درمیانی عقیدہ صحیح ہے یعنی افعال کو آفریدہ الٰہی سمجھیں اور افعال کی خلقت میں انسان کا کوئی کردار گمان نہ کریں۔ اور نہ ہی اختیار تام کا قائل ہونا صحیح ہے کہ افعالِ انسان کی آفرینش میں خداوند عالم کو معزول سمجھیں بلکہ اس میں ذاتِ پروردگار کا بھی کردار ہوتا ہے اور انسان کا بھی۔

۴۔ نقلی دلیل (قرآن وحدیث) مبنا

ا۔ حق حیات وزندگی (شخصی آزادی)

حیات وزندگی تمام انسانوں کے لیے ایک الٰہی نعمت ہے کہ ہر بشر کو اپنی زندگی سے استفادہ کرنے، چین وسکون سے زندگی بسر کرنے، آزاد رہنے اور اپنے لیے امنیت قائم کرنے کا حق ہے، کسی بھی شخص کو غیر قانونی طور سے دوسرے کسی دوسرے پر کسی بھی قسم کا ظلم وستم، تعرض وتجاوز، قتل وجرح اور حبس کرنے، جلاوطن کرنے، شکنجہ دینے وغیرہ کرنے کا حق نہیں ہے اور انسانی حیثیت کی خلاف ورزی ہے۔ دین اسلام امن وسلامتی کا پیغام لے کر آیا ہے، کسی کی شخصی امنیت کو سلب کرنا ضرر پہنچانے کے مترادف ہے لہٰذا دلیل معقول کے بغیر کسی بھی دیندار اور بے دین نفس کا قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اور جرم شمار ہوتا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

(مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْارْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا)

''جو شخص کسی نفس کو، کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد کی سزا کے علاوہ قتل کرڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کردیا''۔ (مائدہ ۳۲)

آیہ کریمہ دلالت کررہی ہے کہ قصاص اور افساد فی الارض کے بغیر کسی سے حق زندگی سلب کرنا جائز نہیں ہے۔ کسی شخص کو بے گناہ قتل کرنا پورے معاشرے کو قتل کردینے کے مترادف ہے اور بہت بڑا جرم ہے، مجرم کو اس کے اعمال کی سزا ملنا ضروری ہے کیونکہ اس نے پورے معاشرے کی آزادی سلب کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اَلنَّاسُ مُسَلَّطُونَ عَلیٰ اَمْوَالِهِمْ؛ لوگ اپنے اموال پر مسلط ہیں'' (مجلسی، بحار، ج ۲، ص ۲۷۲) جب لوگ اپنے اموال پر حق رکھتے ہیں تو خود پر بھی اپنا حق واختیار رکھتے ہیں اور کسی دوسرے کو اس کی جان پر تعرض کرنے کا حق نہیں ہے

۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت یہ تھی کہ ہر ایک کو حق زندگی عطا کرتے تھے، جب تک دشمن نے خود سے پہل نہیں کی ہے آنحضرتؐ نے کسی ایک سے جنگ نہیں کی ہے حتیٰ جنگ تحمیلی میں بے خطا قتل نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی دشمن کی خطا کے بغیر اس پر حملہ نہیں کرتے اور اس سے حق زندگی سلب نہیں کرتے تھے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک سفر میں راستے سے کچھ فاصلے پر کسی شخص کو بے حال پڑے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنے صحابی سے فرمایا: مجھے لگتا ہے یہ شخص بہت پیاسا ہے، جاؤ اسے پانی سے سیراب کرو، وہ صحابی واپس آیا تو امام علیہ السلام نے دریافت کیا: اسے پانی سے سیراب کردیا ہے؟ صحابی نے عرض کیا: نہیں اے میرے آقا میں اس کے حال سے اچھی

طرح واقف ہوں اور وہ شخص یہودی ہے۔ یہ جملہ سن کر آپ اپنے صحابی پر آشفتہ ہوئے اور فرمایا: کیا وہ انسان نہیں ہے۔ (قربانی، اسلام و حقوق بشر، ص۴۵۰)

تعصب کرنا بھی حق زندگی کے مترادف ہے جیسا کہ ایک روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: تعصب رکھنے والا شخص قیامت میں اعراب جاہلیت کے ساتھ محشور ہوگا'' (حر عاملی، وسایل الشیعہ، ج۱۵، ص۳۷۳)

قاعدہ لاضرر و لاضرار بھی اس پر واضح دلیل ہے کہ دین اسلام میں ضرر کرنے یا پہنچانے سے منع کیا گیا ہے ''لاضرر ولاضرار فی الاسلام''۔

اگر تاریخ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو اس نے غیر مسلموں کو حق حیات بخشا ہے، حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں ایران، مصر، عراق میں غیر کتابی کفار اور مجوسی بہت زیادہ تھے لیکن تاریخ میں نہیں ملتا ہے کہ انھیں اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو، مکہ مکرمہ میں جو مشرک آباد تھے ہجرت کے بعد جب رسول اکرم ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو اہل مکہ سارے کے سارے مسلمان نہیں ہو گئے تھے اور تاریخ میں نہیں ملتا ہے کہ ان سے حق زندگی سلب کیا گیا ہو اور انھیں قتل کیا گیا ہو؟! بلکہ مشرکین کی بھی جان محترم تھیں۔

۲۔ ضروریات زندگی سے حق استفادہ

جب زندگی کا انسان کو حق ہے تو زندہ رہنے کے لیے ضروریات سے استفادہ بھی اس کا اپنا حق ہے

ا۔ زندہ رہنے، کھانے پینے کا کو حق انسان کو ہے البتہ کھانے پینے میں آزادی سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جو انسان یا معاشرے کے لیے نقصانده ہیں چونکہ دین اسلام میں ضرر اٹھانا اور کسی دوسرے کو ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے ''لاضرر ولاضرار فی الاسلام'' (شیخ صدوق، معانی الاخبار، ص۲۸۱) دین اسلام میں جو چیزیں کھانے کو حرام قرار دی گئی ہیں ان چیزوں کے کھانے میں کوئی بھی مسلمان آزاد نہیں ہے اور ان سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

۲۔ سکونت اور رفت و آمد ضروریات زندگی میں سے ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''البلاد بلاد الله والعباد عباد الله فحيثما اصبت خيرا فاقم؛ تمام بلاد و شہر خدا کے شہر ہیں، تمام لوگ خدا کے بندے ہیں لہٰذا جہاں بھی انھیں اپنے لیے اچھا لگے وہاں پر ٹھہریں'' (پاینده، نہج الفصاحۃ، ص۳۷۷، ح۱۱۱۶) البتہ ہر ایک پر دوسروں کے شہری حقوق کی رعایت کرنا اور امنیت برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۳۔ حق شغل و تجارت

اسلامی معاشرے میں لوگ کاربار کے انتخاب کرنے میں آزاد ہیں اور نفع و نقصان کے بھی خود ہی ذمہ دار ہیں البتہ حرام کاموں اور معاملوں سے استثنا کیا گیا ہے خواہ وہ کام یا معاملہ ان کے لیے کتنی ہی مصلحت کا حامل ہو اسی لیے کوئی بھی انسان حرام کام یا معاملات کرنے میں آزاد نہیں ہے۔ حکومت کو یا کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ جو شخص اپنے یا عوام کی منفعت کے لیے کام کر رہا ہو اسے

اس کام سے روکا جائے اور اسی طرح اسے کسی ایسے کام پر مجبور کرنا بھی صحیح نہیں ہے جو اس کے یا عوام کے لیے نقصاندہ ہو، منابع فقہی میں قاعدہ لاضرر اس پر واضح دلیل ہے کہ دین اسلام میں خود کو یا کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔

۴۔ حق ازدواج اور تولید مثل

لوگوں کو شادی کرنے اور نسل بڑھانے کا پورا حق ہے اور ان سے اس آزادی کو سلب کرنا غیر شرعی و غیر اخلاقی کام ہے، اگر لوگوں کی اس آزادی کو سلب کرلیا جائے نسل بشر کا قطع ہونا لازم آئے گا، دین اسلام فطری دین ہے اور اس کے تمام احکام و قوانین بشر کی طبیعت کے مطابق سازگار ہیں، شادی کرنا اور نسل بڑھانا ہر انسان کا حق ہے اور کسی بھی شخص کو کسی دوسرے سے یہ آزادی سلب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

شادی کرنے سے انسان کو سکون اور آرام نصیب ہوتا ہے، مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے سکون کا باعث ہیں{هُنَّ لِبَاس لَكُمْ وَ أَنتُمْ لِباس لَهُنَّ} (بقرہ ۳۸۷) اور ان سے یہ سکون سلب کرنا صحیح نہیں ہے۔

۵۔ عدل و انصاف کا جاری ہونا

احکام و قوانین میں سب لوگ مساوی ہیں، ہر شخص کو اس کا حق ملنا اور اس کے ساتھ انصاف ہونا، آزادی شمار ہوتا ہے اور اس کا اولین حق ہے۔ اگر کسی کے ساتھ ناانصافی کی جائے اور عدالت وغیرہ میں کسی کے بارے میں ناحق فیصلہ کیا جائے تو یہ کام اس شخص کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے۔ سب انسان برابر ہیں، سب کے سب آدم کی اولاد ہیں، ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا احکام الٰہی اور اصول و قواعد بھی سب کے لیے یکساں ہیں اور مساوات ضروری ہے

روایت میں ہے کہ بنی مخزوم قبیلہ کی ایک عورت نے ایک مشہور قبیلہ کے کسی گھر میں چوری کرلی تھی کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے چوری کی حد جاری کئے جانے کا حکم دیا، اس عورت نے حد سے بچنے اور اپنے قبیلہ کی بدنامی سے حفاظت کے لیے قبیلہ اسامہ سے ایک شخص کو سفارش اور واسطہ بنا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا جو آنحضرتؐ کے نزدیک کچھ مقام و منزلت رکھتا تھا۔ اسامہ واسطہ بن کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اس عورت پر حد جاری نہ ہونے کی سفارش کی، آنحضرتؐ بہت زیادہ ناراض ہوئے اور فرمایا: کیا تم حکم الٰہی کے جاری نہ ہونے میں واسطہ بن رہے ہو، گذشتہ امتیں جو ہلاک ہوئی ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ جاننے والوں کی خطاؤں کو معاف کردیا جاتا اور انجان لوگوں پر حکم جاری کیا جاتا تھا، خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی سرقت کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ قطع کرتا (واقدی، الطبقات الکبریٰ، ۴: ۵۲)

ہر انسان کا اپنے ساتھ انصاف کا حق ہے، اگر کسی کے ساتھ ناانصافی ہو جائے، کسی کے بارے میں غلط فیصلہ جاری ہو جائے تو کسی منصف کی طرف رجوع کرکے اپنا حق دلوانے کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے اور اس پر لازم ہے کہ لوگوں کی شکایت پر سنوائی کرے اور قضاوت کرے۔ حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام اپنے خط میں تحریر فرمایا: اے مالک صاحبان ضرورت (کے ساتھ انصاف) کے لیے ایک وقت ضرور نکالنا جس میں تم اپنے آپ کو خالی کرلو اور خود (قاضی کے طور پر) اس مجلس میں بیٹھنا، اپنے تمام نگہبان پولیس فوج واعوان و انصار سب کو دور بٹھا دینا، تاکہ لوگ کھل کر اپنی بات کہہ سکیں اور وہ جو بھی شکایت رکھتے ہیں اپنی

زبان سے بیان کر سکیں اور ان کی زبان کسی طرح کی لکنت کا شکار نہ ہو۔ میں نے خود پیغمبر اکرم ﷺ سے مکرر یہ فرماتے سنا ہے: وہ امت پاکیزہ کردار نہیں ہو سکتی ہے جس میں کمزور کو آزادی کے ساتھ طاقتور سے اپنا حق لینے کا موقع نہ دیا جائے''۔ (شریف رضی، نہج البلاغہ، ۴۳۹)

جس شخص پر حملہ ہوا ہے اسے اپنا مکمل طور سے دفاع کرنے کا حق حاصل ہے اور دفاع کا غریضہ انسان و حیوان دونوں میں مشترک ہے، جو شخص کسی کے خوف سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا وہ آزاد شمار نہیں ہوتا ہے، انسان اسی وقت آزاد سمجھا جاتا ہے کہ جب وہ عدالت یا عدالت سے باہر مکمل طور سے اپنا دفاع کر سکتا ہو۔

نتیجہ :

مذکورہ بیانات سے یہ نتیجہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ آجکل جس آزادی کے اوپر بحث کی جاتی ہے اس مفہوم کے اعتبار سے قدیم زمانہ میں اگر چہ فقہاء نے اپنی فقہی کتابوں میں بحث نہیں کیا ہے، لیکن بعض فقہا نے مباحث کلامی کے تحت اس مسئلہ کو ارادہ و اختیار کی بحث میں پیش کیا ہے۔ لیکن دور حاضر کے فقہاء میں سے خوص طور پر وہ لوگ جنہوں نے فقہی مسائل کو عملی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے۔اور انہوں نے انفرادی اور سماجی آزادیوں کا بھی ذکر کیا ہے، للذا آزادی کی فقہی بنیادوں فقہی مبانی) کاخلاصہ انسان پر دوسروں کے تسلط کی نفی (اصل نفی سلطہ)، اعمال میں اصل اباحہ، اور اصل رعایت عدالت میں ہوتا ہے۔

اصل نفی سلطہ کی بنیاد پر انسان دوسروں کے طوق و زنجیر سے آزاد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان استقلال، انفرادی اور سماجی آزادی تک پہنچ سکتا ہے، لیکن یہ آزادی مطلق اور بدون قید و شرط کے نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہی آزادی دوسروں کی آزادی کو خطرہ میں ڈالنے کا سبب بنے گی۔ اسی وجہ سے فقہ میں آزادی کے ساتھ ساتھ جو دوسرا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے اس کی حدود اور دائرہ کا مسئلہ ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے کئی چیزیں لوگوں کی آزادی کو محدود کرتی ہیں جن میں سے دوسروں کا آزادی اور حقوق کا خیال، سماج و معاشرہ کے مفادات کا خیال اور شریعت کے قواعد اور قوانین کی پابندی۔ انھیں میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اسلام میں پائی جانے والی آزادی اور مغربی کلچرل کی آزادی میں بارز امتیاز پیدا کرتی ہیں۔ اور انھیں چیزوں کی شمعدان میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں آزادی کی شمع جلتی ہے۔

منابع

۱۔ قرآن کریم

۲۔ ابن شعبہ حرانی، حسن بن علی، تحف العقول، قم جامعہ مدرسین ۱۳۶۳ق۔

۳۔ امام خمینی رہ، رسالہ اجتہاد و تقلید، قم انتشارات دار الفکر ۱۳۸۲ش۔

۴۔ امام خمینی رہ، شرح چہل حدیث، تہران موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی ۱۳۸۲ش۔

۵۔ امام خمینی رہ، صحیفہ نور، تہران موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی۔

۶۔ امام خمینی رہ، رسالہ اجتہاد و تقلید، انتشارات دار الفکر، قم ۱۳۸۲ق۔

۷۔ انصاری، فرائد الاصول، انتشارات مصطفوی، قم ۱۳۷۴ق۔

۸۔ انصاری، مکاسب، خط طاہر خوش نویس، تبریز، ۱۳۷۵ق۔

۹۔ پاینده، ابوالقاسم، نہج الفصاحۃ، دنیای دانش، تہران ۱۳۶۷ش۔

۱۰۔ حر عاملی، وسایل الشیعہ، موسسہ آل البیت قم ۱۴۰۹ق۔

۱۱۔ حسینی، خامنہ ای، سید علی، آزادی از نظر اسلام و غرب، مجلّہ اندیشہ شمارہ ۱۴، ۱۳۷۷ش۔

۱۲۔ راسل، تراند، تاریخ فلسفہ، تہران انتشارات نور۔

۱۳۔ سید مرتضیٰ، الذریعہ فی اصول الشیعہ، انتشارات دانشگاہ تہران، بی تا۔

۱۴۔ شریعتمدار جزایری، گنجینہ معارف، فصل نامہ علوم سیاسی، شمارہ ۳۔

۱۵۔ شریف رضی، محمد بن حسین، نہج البلاغہ، صبحی صالح، ہجرت، قم ۱۴۱۴۔

۱۶۔ صدوق، ابن بابویہ محمد بن علی، الخصال، جامعہ مدرسین قم ۱۳۶۲ش۔

۱۷۔ صدوق، ابن بابویہ محمد بن علی، عیون اخبار الرضا (ع)، نشر جہان، تہران ۱۳۷۸ق۔

۱۸۔ صدوق، ابن بابویہ محمد بن علی، معانی الاخبار، جامعہ مدرسین قم ۱۴۰۳ق۔

۱۹۔ صدوق، ابن بابویہ محمد بن علی، من لایحضرہ الفقیہ، (ع)، جامعہ مدرسین قم ۱۴۱۳ق۔

۲۰۔ طوسی، عدۃ الاصول، انتشارات موسسہ آل البیت، قم۔

۲۱۔ طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین (۱۳۷۵)، مطبع مرتضوی، طبع سوم، تہران

۲۲۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، بیروت، موسسہ الاعلمی ۱۴۲۲ھ۔

۲۳۔ قربانی، زین الدین، اسلام و حقوق بشر، انتشارات سایہ ۱۳۸۳ش۔

۲۴۔ کلینی، محمد بن یعقوب، فروع کافی، دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۷۳ش۔

۲۵۔ کلینی، محمد بن یعقوب، کافی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ ۱۴۰۷ق۔

۲۶۔ کاتوزیان، ناصر، مبانی حقوق عمومی، نشر داد گستر، تہران، چاپ اول، پائیز ۱۳۷۷ش۔

۲۷۔ لیثی واسطی، عیون الحکم، قم، دارالحدیث ۱۳۸۶ش۔
۲۸۔ مرتضی مطہری، انسان کامل، تہران انتشارات صدرا، چاپ پنجم، ۱۳۸۶ش۔
۲۹۔ محسن مجبی، مجلّہ حقوقی بین الملل ۱۳۸۵ش۔
۳۰۔ مہیار رضا، علی اکبر دہخدا، دانشگاہ تہران، ۲۰۱۱م۔
۳۱۔ مطہری، مرتضیٰ، جہاد، قم، صدرا، ۱۳۶۹ش۔
۳۲۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
۳۳۔ نجفی، محمد حسن، جواہر الکلام، دارالکتب الاسلامیہ، چاپ سوم ۱۳۶۲ش۔
۳۴۔ تمیمی آمدی، غرر الحکم، دار الکتب الاسلامی، قم ۱۴۱۰ھ۔
۳۵۔ مامقانی، عبداللہ، رسالہ ہدایۃ الانام، انتشارات امین التجار حجری۔
۳۶۔ مصباح یزدی، محمد تقی، تاثیر انسان شناسی بر تفسیر مفہوم آزادی، فصلنامہ مطالعات سیاسی، شمارہ ۲۸، ۱۳۹۱ش۔
۳۷۔ مجبی، علی، آزادی از نظر اسلام و غرب، سیستان ۱۳۸۵۔
۳۸۔ مطہری، مرتضیٰ، مجموعہ آثار، انتشارات صدرا، تہران، قم۔
۳۰۔ واقدی محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت دار الکتب العلمیہ۔